ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 0201

Program: Matric

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ ـــ شعبہ اسلامی فکر، تاریخ وثقافت

کورس: اسلامیات(201)

سٹڈی مبٹرک

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر2 (یونٹ نمبر4تا6)

کل نمبر: 100 ـــ کامیابی کے نمبر: 40

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ ـــ مطالعہ وحوالے کے لیے

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ وراہنمائی کے لیے ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ سوالات کو سمجھ کر جوابات اپنے الفاظ میں لکھیں؛ ہو بہو نقل کرنے سے گریز کریں۔ قرآنی آیات واحادیث کے مضامین اس گائیڈ میں مفہوم کی صورت میں حوالے کے ساتھ دیے گئے ہیں ـــ اصل متن کے لیے مستند قرآن مجید وکتبِ حدیث سے رجوع کریں، اور عملی فقہی مسائل میں مستند علماء سے راہنمائی لیں۔

سوال نمبر1: نماز کی لغوی واصطلاحی تعریف کریں اور اس کے فرض ہونے کی شرائط تفصیل سے لکھیں۔(نمبر: 20)

تمہید

نماز اسلام کا دوسرا رکن اور سب سے اہم عبادت ہے۔ توحید کے بعد بندے کا اپنے رب سے تعلق جس عمل سے سب سے زیادہ ظاہر ہوتا ہے وہ نماز ہے۔ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر نماز قائم کرنے کا حکم آیا ہے اور حضور ﷺ نے نماز کو دین کا ستون قرار دینے کا مفہوم بیان فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز گرے تو دین کی عمارت متزلزل ہو جاتی ہے۔ اس جواب میں پہلے نماز کی لغوی و اصطلاحی تعریف بیان کی جائے گی اور پھر ان شرائط کی تفصیل لکھی جائے گی جن کے پائے جانے پر نماز انسان پر فرض ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ یہاں فقہی شرائط کا تعلیمی خلاصہ پیش کیا گیا ہے؛ کسی انفرادی عملی مسئلے میں مستند علماء سے راہنمائی لینی چاہیے۔

نماز کی لغوی تعریف

نماز کے لیے عربی میں لفظ "صلاۃ" استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں صلاۃ کے معنی دعا، رحمت اور استغفار کے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ دعا کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، مثلاً مؤمنوں کے لیے دعا کرنے کے حکم میں اسی لفظ کا استعمال ملتا ہے (سورۃ التوبہ کے مضامین کا مفہوم)۔ نماز کو صلاۃ اس لیے کہا گیا کہ اس کا بڑا حصہ دعا پر مشتمل ہے اور نمازی اس میں اپنے رب سے مانگتا، اس کی رحمت طلب کرتا اور اس کی حمد و ثناء کرتا ہے۔ اردو و فارسی میں "نماز" کا لفظ اسی مخصوص عبادت کے لیے رائج ہو گیا ہے۔ لغوی مفہوم سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ نماز صرف جسمانی حرکات کا نام نہیں بلکہ اس کی روح دعا، مناجات اور اللہ سے تعلق ہے۔

نماز کی اصطلاحی تعریف

شریعت کی اصطلاح میں نماز اس مخصوص عبادت کو کہتے ہیں جو تکبیرِ تحریمہ سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہوتی ہے اور جس میں قیام، قرأت، رکوع، سجدہ اور قعدہ سمیت مقررہ ارکان ایک خاص ترتیب اور خاص شرائط کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں۔ فقہاء کی معروف تعریف کا مفہوم یہ ہے کہ نماز مخصوص اوقات میں، مخصوص افعال و اقوال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا نام ہے۔ اس تعریف سے نماز کی تین خصوصیات واضح ہوتی ہیں: اول یہ کہ اس کے افعال شریعت نے متعین کر دیے ہیں، انسان اپنی مرضی سے ان میں

کمی بیشی نہیں کر سکتا؛ دوم یہ کہ اس کے اوقات مقرر ہیں، جیسا کہ قرآن میں نماز کو مؤمنوں پر مقررہ وقتوں میں فرض قرار دینے کا مفہوم آیا ہے (سورۃ النساء، آیت 103 کا مفہوم)؛ سوم یہ کہ اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہے، دکھاوا یا دنیا کا کوئی فائدہ نہیں۔

نماز کے فرض ہونے کی شرائط

ہر مسلمان پر نماز خود بخود فرض نہیں ہو جاتی؛ شریعت نے اس فرضیت کے لیے چند بنیادی شرائط مقرر کی ہیں۔ ان شرائط کو علماء عموماً "شرائطِ وجوب" کہتے ہیں، یعنی وہ شرائط جن کے پائے جانے سے نماز کا ادا کرنا بندے پر لازم آتا ہے۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں۔

1۔ مسلمان ہونا

نماز کی فرضیت کی پہلی شرط اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے اولین مخاطب وہ لوگ ہیں جو اسے اپنا رب اور اسلام کو اپنا دین تسلیم کرتے ہیں۔ غیر مسلم سے پہلا مطالبہ ایمان کا ہے؛ جب وہ ایمان قبول کر لیتا ہے تو اسی لمحے سے نماز سمیت تمام احکام اس پر لازم آ جاتے ہیں۔ یہ اصول اس لیے بھی اہم ہے کہ عبادت کی قبولیت کی بنیاد بھی ایمان ہے؛ ایمان کے بغیر کوئی عمل اللہ کے ہاں اس صورت میں مقبول نہیں ہوتا جیسے مؤمن کا عمل ہوتا ہے۔

2۔ بالغ ہونا

دوسری شرط بلوغت ہے۔ نابالغ بچے پر نماز شرعاً فرض نہیں، تاہم اس کی تربیت کا حکم دیا گیا ہے تاکہ بلوغت سے پہلے ہی اسے نماز کی عادت پڑ جائے۔ حدیث کے مفہوم کے مطابق بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کی ترغیب و حکم دینے اور دس سال کی عمر میں اس کی پابندی کروانے کی ہدایت ہے۔ بلوغت کی علامات معروف ہیں اور ان کا ثبوت ہوتے ہی نماز کا فرض ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ شرط اللہ کی رحمت و حکمت کا مظہر ہے کہ بچپن کی ناتجربہ کاری کو معذور رکھا گیا ہے، مگر تربیت سے غفلت کی اجازت نہیں دی گئی۔

3۔عاقل ہونا

تیسری شرط عقل کا سلامت ہونا ہے۔ ایسا شخص جو مستقل طور پر عقل کھو بیٹھا ہو، یا بیہوشی و نشے کی کیفیت میں ہو، اس پر اس حالت میں نماز فرض نہیں؛ حدیث کے مفہوم میں ان افراد سے قلم اٹھا لیے جانے یعنی مؤاخذہ نہ ہونے کا ذکر آیا ہے جن میں سویا ہوا شخص بیدار ہونے تک، بچہ بالغ ہونے تک اور مجنون درست ہونے تک شامل ہیں۔ یہ شرط بتاتی ہے کہ شریعت کے مطالبے کی بنیاد سمجھ بوجھ ہے؛ جو شخص فیصلہ کی اہلیت ہی نہیں رکھتا اس سے حساب کا آغاز بھی نہیں ہوتا۔ البتہ عارضی بیہوشی سے ہوش آنے کے بعد قضا وغیرہ کے احکام کی تفصیل اہلِ علم سے معلوم کرنی چاہیے۔

4۔وقت کا داخل ہونا اور قدرت و استطاعت

نماز کا اپنے مقررہ وقت میں ہونا اس کی ادائیگی کی شرط ہے، یعنی کوئی نماز اس کے وقت سے پہلے ادا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح نماز اسی وقت فرض ہوتی ہے جب انسان اسے کسی نہ کسی صورت میں ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ بیمار یا معذور شخص بیٹھ کر، لیٹ کر یا اشارے سے نماز ادا کرتا ہے جیسا کہ شریعت نے ان کے لیے آسانیاں رکھی ہیں؛ لیکن جب تک جان میں جان ہے نماز کا مکمل چھوڑ دینا درست نہیں سمجھا جاتا۔ یہ اہم نکتہ ہے کہ قدرت کی شرط کا مطلب سہولت پسندی نہیں بلکہ ہر حالت میں ممکنہ صورت میں نماز قائم رکھنا ہے۔ استطاعت کے جزوی مسائل میں فقہی اختلافات کی تفصیل کے لیے مستند علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

5۔طہارت سے متعلق شرائط کا مختصر ذکر

فرضیت کی شرائط کے علاوہ نماز کے صحیح ہونے کی بھی کچھ شرائط ہیں جن میں سب سے اہم طہارت ہے؛ یعنی بدن، کپڑوں اور جگہ کا پاک ہونا، حدث (بے وضوئی وغیرہ) سے پاک ہونا، ستر کا چھپانا، قبلے کی طرف منہ کرنا، وقت کا ہونا اور نیت کرنا شامل ہیں۔ قرآن مجید میں نماز کے لیے کھڑے ہونے سے پہلے وضو کا حکم دیا گیا ہے (سورۃ المائدہ، آیت 6 کا مفہوم)۔ ان شرائط سے نماز کی ظاہری ہیئت بھی پاکیزہ بنتی ہے اور نمازی کا ذہن بھی عبادت کی اہمیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ طالب علم کے لیے یاد رکھنا ضروری ہے کہ شرائطِ وجوب کا تعلق اس سے ہے کہ نماز کس پر لازم ہے، جبکہ شرائطِ صحت کا تعلق اس سے ہے کہ ادا کی گئی نماز درست شمار ہو۔

جدول1: نماز کے فرض ہونے کی شرائط کا خلاصہ

شرط	مفہوم	نتیجہ
اسلام	اللہ ورسول پر ایمان	ایمان کے بعد تمام احکام لازم آتے ہیں
بلوغت	شرعی عمر کو پہنچنا	نابالغ پر فرض نہیں، تربیت لازم ہے
عقل	سمجھ بوجھ کا سلامت ہونا	مجنون و بے ہوش پر اس حالت میں فرض نہیں
وقت وقدرت	وقت داخل ہو اور ادا کی استطاعت ہو	معذور کے لیے بیٹھ کر / اشارے سے نماز

نتیجہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ لغت میں نماز یعنی صلاۃ کے معنی دعا و رحمت طلب کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ تکبیر سے سلام تک ادا کی جانے والی وہ مقررہ عبادت ہے جس کے اوقات و ارکان شریعت نے متعین کر دیے ہیں۔ نماز اس مسلمان پر فرض ہوتی ہے جو بالغ ہو، عاقل ہو اور اپنے وقت میں اسے کسی ممکن صورت میں ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ ان شرائط سے شریعت کی آسانی، عدل اور تربیت کی حکمت واضح ہوتی ہے: اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا، اور ساتھ ہی قادر انسان کے لیے نماز چھوڑنے کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

سوال نمبر2: نماز کے روحانی اور باطنی فوائد (قربِ الٰہی، سکونِ قلب) پر جامع نوٹ لکھیں۔ (نمبر: 20)

تمہید

نماز کو عموماً ایک ظاہری عبادت سمجھ کر اس کی حرکتوں ہی کو دیکھا جاتا ہے، حالانکہ نماز کی اصل روح اس کے باطنی اثرات ہیں۔ نماز بندے کو دن میں پانچ مرتبہ دنیا کی بھاگ دوڑ سے نکال کر اپنے خالق کے سامنے کھڑا کرتی ہے، اور یہ کھڑا ہونا اگر حضورِ قلب کے ساتھ ہو تو روح کی غذا، دل کا سکون اور اللہ کے قرب کا سب سے بڑا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس نوٹ میں نماز کے روحانی و باطنی فوائد کو ترتیب سے بیان کیا جائے گا: قربِ الٰہی، سکونِ قلب، گناہوں سے پاکیزگی، صبر و نظم کی تربیت اور آخرت کی یاد سمیت وہ تمام ثمرات جو ایک نمازی کی اندرونی زندگی کو بدل دیتے ہیں۔

1۔ قربِ الٰہی: نماز کا سب سے بڑا باطنی ثمرہ

نماز کا سب سے بڑا روحانی فائدہ اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ قرآن مجید میں اس مفہوم کی تلقین آئی ہے کہ اللہ کے حضور سجدہ کرو اور اس کا قرب حاصل کرو (سورۃ العلق، آیت 19 کا مفہوم)، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدے کی حالت قرب کا اونچا ترین لمحہ ہے؛ اسی لیے حدیث کے مفہوم میں بھی آیا ہے کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔ وضو سے شروع ہونے والی یہ عبادت انسان کو آہستہ آہستہ دنیاوی سوچوں سے کاٹتی ہے، اور قیام میں قرأت، رکوع میں تسبیح اور سجدے میں مناجات کے ذریعے وہ اپنے رب کی حضوری کا احساس پاتا ہے۔ یہ قرب محض جذباتی کیفیت نہیں بلکہ زندگی کی سمت بدل دیتا ہے: جس دل کو اللہ کا قرب نصیب ہو جائے وہ مخلوق کی خوشامد اور دنیا کی حرص سے بے نیاز ہونے لگتا ہے۔ نماز میں خشوع یعنی دل کی حضوری جتنی زیادہ ہو گی قرب کا یہ احساس اتنا ہی گہرا ہو گا، اسی لیے قرآن نے کامیاب مؤمنوں کی صفت یہی بیان کی ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں (سورۃ المؤمنون، آیات 1 تا 2 کا مفہوم)۔

2۔ سکونِ قلب اور ذہنی اطمینان

نماز کا دوسرا بڑا باطنی فائدہ سکونِ قلب ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد کے مفہوم کے مطابق دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوتا ہے (سورۃ الرعد، آیت 28 کا مفہوم)، اور نماز ذکرِ الٰہی کی سب سے جامع صورت ہے کیونکہ اس میں تلاوت، تسبیح، حمد اور دعا سب جمع ہیں۔ جدید زندگی میں انسان پریشانی، فکر اور بے چینی کا شکار رہتا ہے؛ نماز اسے وقفے وقفے سے ان دباؤں سے نکال کر ایک پرسکون نسبت عطا کرتی ہے۔ نمازی اپنے مسائل اللہ کے سامنے رکھ کر دل کا بوجھ ہلکا کرتا ہے اور سجدے میں وہ کیفیت پاتا ہے جو کسی دنیاوی مشغلے سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کو جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ نماز کا سہارا لیتے اور اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دینے کا مفہوم احادیث میں آیا ہے۔ صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا قرآنی حکم بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ عبادت روح کے لیے سہارا اور تقویت کا ذریعہ ہے (سورۃ البقرہ، آیت 45 کا مفہوم)۔

3۔ گناہوں سے روک اور روح کی پاکیزگی

قرآن مجید نے نماز کا ایک نمایاں اثر یہ بیان کیا ہے کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے (سورۃ العنکبوت، آیت 45 کا مفہوم)۔ اس کا روحانی راز یہ ہے کہ جو شخص دن میں پانچ بار اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا پابند ہو، اسے ہر بار یہ احساس تازہ ہوتا ہے کہ وہ کس کے سامنے پیش ہونے جا رہا ہے؛ یہ احساس خود بخود اسے گناہ کی طرف بڑھنے سے روکتا ہے۔ احادیث میں پانچ نمازوں کو اس ندی سے تشبیہ دینے کا مفہوم بھی آیا ہے جو گھر کے دروازے پر بہتی ہو اور آدمی اس میں دن میں پانچ بار غسل کرے تو اس کے بدن پر میل باقی نہیں رہتا؛ اسی طرح نمازیں چھوٹے گناہوں کی صفائی کا ذریعہ بنتی ہیں۔ البتہ یہ فائدہ اسی نماز کا ہے جو سوچ سمجھ کر اور دل کی حضوری سے پڑھی جائے؛ محض بے دھیانی کی حرکات وہ روحانی اثر پیدا نہیں کرتیں، اس لیے علماء نماز میں خشوع پیدا کرنے کی کوشش کو اس عبادت کا اصل مقصد قرار دیتے ہیں۔

4۔اللہ سے مناجات اور دعا کی قبولیت کا احساس

نماز میں بندہ اپنے رب سے براہِ راست گفتگو کرتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ کی تلاوت میں وہ اللہ کی حمد کرتا ہے، اس کی ربوبیت و رحمت کا اقرار کرتا ہے اور پھر صرف اسی سے مدد مانگتا ہے۔ حدیث قدسی کے مفہوم میں نماز کو اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم شدہ مناجات کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ نمازی اللہ سے بولتا ہے اور اللہ اس کا جواب دیتا ہے۔ یہ احساسِ مناجات انسان کی روح کو عجیب لذت اور اعتماد دیتا ہے: وہ خود کو تنہا اور بے سہارا محسوس نہیں کرتا بلکہ ہر مشکل میں اسے یقین ہوتا ہے کہ سننے والا اور مدد کرنے والا رب موجود ہے۔ یہی یقین مایوسی کا خاتمہ ہے، اور مایوسی سے نجات پائی ہوئی روح پُرمثبت، پُرامید اور نیکی پر ڈٹی ہوئی زندگی گزار سکتی ہے۔

5۔وقت کی پابندی، نظم اور صبر کی باطنی تربیت

نماز اوقات کی پابندی سکھا کر انسان کی پوری نفسیات کو نظم میں ڈھال دیتی ہے۔ فجر کی نماز نیند کی قربانی، ظہر کام کے وقفے میں رکھ کھڑے ہونے، عصر مصروفیت کے باوجود وقت نکالنے، مغرب دن کی تھکان کے بعد حاضر ہونے اور عشاء رات کے آرام سے پہلے رب کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کی مشق ہے۔ یہ روزانہ کی مشق انسان میں خود پر قابو، نفس کی خواہش کو مؤخر کرنا اور فرض کو خواہش پر مقدم رکھنا سکھاتی ہے، جو صبر کی اصل حقیقت ہے۔ جو شخص اپنے نفس کو پانچ وقت قابو میں رکھ سکتا ہو، وہ زندگی کے بڑے میدانوں میں بھی جذبات اور غصے پر قابو پانا سیکھ جاتا ہے۔ یوں نماز ظاہراً چند رکعات ہیں مگر باطناً یہ روزانہ کا ایک مکمل تربیتی نظام ہے۔

6۔تواضع، خشیت اور آخرت کی یاد

رکوع و سجود انسان کے غرور کو توڑنے کی عملی تربیت ہیں۔ دنیا میں سر اٹھا کر چلنے والا انسان نماز میں اپنی پیشانی، جو اس کے جسم کا سب سے معزز حصہ ہے، زمین پر رکھ دیتا ہے؛ یہ عمل دل میں عاجزی پیدا کرتا ہے اور تکبر کی جڑ کاٹتا ہے۔ نماز موت اور آخرت کی یاد بھی تازہ کرتی ہے، کیونکہ سلام پھیرنے کے بعد انسان پھر دنیا میں لوٹتا ہے اور اسے ہر نماز یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ایک دن وہ پیشی مکمل اور آخری ہوگی۔ جو شخص اس یاد کے ساتھ جیتا ہے اس کے اخلاق میں نرمی، معاملات میں سچائی اور دوسروں کے بارے میں رحمدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ یوں نماز کے روحانی فوائد فرد سے نکل کر پورے معاشرے میں امن و خیر کی فضا پیدا کرتے ہیں۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

جدول 1: نماز کے روحانی و باطنی فوائد کا خلاصہ

عملی ثمرہ	قرآنی بنیاد (مفہوم)	فائدہ
اللہ کی حضوری کا احساس، خشوع	سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ (العلق: 19)	قربِ الٰہی
پریشانی و بے چینی میں کمی	دلوں کا اطمینان ذکرِ الٰہی سے ہے (الرعد: 28)	سکونِ قلب
تقویٰ اور کردار کی پاکیزگی	نماز بے حیائی و برائی سے روکتی ہے (العنکبوت: 45)	گناہوں سے روک
وقت کی پابندی، خود پر قابو	صبر اور نماز سے مدد لو (البقرہ: 45)	صبر و نظم

نتیجہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ نماز کے روحانی و باطنی فوائد اس کے ظاہری ارکان سے کہیں زیادہ گہرے ہیں۔ یہ عبادت بندے کو اللہ کا قرب عطا کرتی ہے، دل کو سکون و اطمینان دیتی ہے، گناہوں سے روک کر روح کو پاک کرتی ہے، مناجات و دعا کا ذوق بخشتی ہے اور صبر، نظم و تواضع کی تربیت کرتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ نماز کو عادت نہیں عبادت سمجھ کر خشوع و حضور کے ساتھ ادا کیا جائے؛ ایسی نماز نمازی کی دنیاوی زندگی کو بھی سنوارتی ہے اور آخرت کی کامیابی کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔

سوال نمبر 3: روزے (صوم) کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور اس کی فرضیت کی تاریخ بیان کریں۔ (نمبر: 20)

تمہید

روزہ اسلام کا چوتھا رکن ہے اور روح کی تربیت کا ایک عظیم ذریعہ ہے۔ یہ عبادت صرف بھوک و پیاس کا نام نہیں بلکہ نفس کو قابو میں رکھنے، خواہشات کو اللہ کے حکم کے تابع کرنے اور تقویٰ حاصل کرنے کی عملی مشق ہے۔ اس جواب میں پہلے صوم یعنی روزے کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان کیا جائے گا، پھر اس کی فرضیت کی تاریخ کو ترتیب سے پیش

کیا جائے گا: پچھلی امتوں میں روزے کی صورت، اسلام کے ابتدائی دور کے مرحلے اور رمضان کے روزوں کی حتمی فرضیت، تاکہ طالب علم کو اس عبادت کے تاریخی پس منظر کا واضح تصور حاصل ہو۔

صوم کا لغوی مفہوم

عربی میں "صوم" کے لغوی معنی ہیں رک جانا، باز رہنا اور خاموش رہنا یا کسی کام سے اپنے آپ کو روک لینا۔ اسی لغوی وسعت کی وجہ سے قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کے بولنے سے رکنے کو بھی صوم کے لفظ سے تعبیر کرنے کا مفہوم آیا ہے (سورۃ مریم آیت نمبر 26)۔ عرب روزہ اس شخص کو بھی کہتے تھے جو کھانے پینے اور گفتگو سے رک جائے۔ لغوی مفہوم سے روزے کی روح واضح ہوتی ہے کہ یہ اپنے نفس کو حلال چیزوں سے بھی ایک مقررہ مدت کے لیے روک لینے کا نام ہے، تاکہ حرام چیزوں سے رکنا ہمیشہ کے لیے آسان ہو جائے۔

صوم کا اصطلاحی مفہوم

شریعت کی اصطلاح میں روزہ اس عبادت کو کہتے ہیں کہ مسلمان طلوعِ فجر (صبح صادق) سے غروبِ آفتاب تک نیت کے ساتھ کھانے، پینے اور دیگر روزہ توڑنے والی چیزوں سے رکا رہے۔ فقہی تعریف کا مفہوم یہی ہے کہ مخصوص شخص، مخصوص دنوں میں، مخصوص چیزوں سے عبادت کی نیت کے ساتھ رکا رہے۔ اس تعریف کے اجزا یہ ہیں: روزہ رکھنے والا مسلمان، بالغ و عاقل ہو؛ وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہو؛ ترک کی جانے والی چیزیں کھانا، پینا اور نفسانی خواہشات ہوں؛ اور سب سے اہم یہ کہ یہ رکنا اللہ کی عبادت کی نیت سے ہو، ورنہ محض بھوک ہڑتال روزہ نہیں کہلائے گی۔ اسی نیت و مقصد کی وجہ سے روزہ دوسری تمام عبادتوں سے الگ حیثیت رکھتا ہے اور حدیث قدسی کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے لیے خاص قرار دے کر اس کا اجر خود دینے کا اعلان فرمایا ہے۔

روزے کی فرضیت کی تاریخ

1۔ پچھلی امتوں میں روزہ

روزہ اسلام سے پہلے کی امتوں میں بھی معروف عبادت رہا ہے۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اس مفہوم کا اعلان ہے کہ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ (سورۃ البقرہ، آیت 183 کا مفہوم)۔ اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ روزہ ایک قدیم اور تمام شریعتوں میں پائی جانے والی عبادت ہے، اور دوسری یہ کہ اس کا مقصد ہر دور میں تقویٰ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں یومِ عاشوراء کے روزے کا ذکر ملتا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کا طریقہ پسندیدہ روزوں کے طور پر بیان ہوا ہے، اور حضرت مریم و حضرت زکریا علیہما السلام کے واقعات میں بھی رکنے اور خاموشی کی عبادت کی صورتیں مذکور ہیں۔ شکلیں مختلف رہی ہوں گی مگر روزے کا اصل یعنی نفس کی تربیت کا تصور ہر شریعت میں موجود رہا۔

2۔ اسلام کے ابتدائی دور کا مرحلہ

حضور ﷺ کی بعثت کے بعد مکی دور میں نماز تو فرض ہو چکی تھی مگر رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا۔ اس دور میں آپ ﷺ اور صحابہ کرام عاشوراء یعنی دس محرم کا روزہ رکھتے تھے اور بعض نفلی روزوں کا اہتمام بھی ہوتا تھا۔ تاریخی ترتیب سمجھنے کے لیے یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی احکام بتدریج نازل ہوئے تاکہ معاشرہ انہیں آسانی سے قبول و عمل کر سکے؛ روزے کی فرضیت بھی اسی تدریجی حکمت کے تحت ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی۔

3۔ عاشوراء کے روزے کا حکم اور اس کا درجہ

ہجرت کے بعد مدینہ میں حضور ﷺ نے دیکھا کہ یہودی یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ اس کے حقدار ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کی ترغیب و حکم دیا، چنانچہ اس مرحلے میں

عاشوراء کا روزہ بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشوراء کے روزے کا درجہ نفلی ہو گیا اور اسے اختیار پر چھوڑ دیا گیا۔ آج بھی محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ مستحب سمجھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ نویا گیارہ محرم کا روزہ ملانے کی ترغیب احادیث کے مفہوم میں آئی ہے۔

4۔ رمضان کے روزوں کی حتمی فرضیت (2 ہجری)

رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا حتمی حکم 2 ہجری میں نازل ہوا۔ سورۃ البقرہ کی آیات 183 تا 185 میں اس کا مکمل نظام بیان ہوا جس کا مفہوم یہ ہے کہ روزے مقررہ گنتی کے دنوں کے لیے فرض کیے گئے، مریض اور مسافر کے لیے رخصت دی گئی کہ وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے، اور رمضان وہ مہینہ قرار پایا جس میں قرآن نازل ہوا، پس جو شخص یہ مہینہ پائے وہ اس کے روزے رکھے۔ اس فرضیت ہی کے سال غزوۂ بدر بھی پیش آیا، جو اس بات کی علامت ہے کہ روزے مسلمان کو کمزور نہیں کرتے بلکہ اس کی روحانی قوت بڑھا دیتے ہیں۔ اس کے بعد سے آج تک امتِ مسلمہ ہر سال رمضان کے ایک مہینے کے روزے رکھتی آ رہی ہے، اور یہی فرضیت قیامت تک باقی رہے گی۔

5۔ فرضیت کے بعد کے اہم مراحل و احکام

ابتدا میں روزے کی بعض صورتوں میں سختی تھی جو بعد کے احکام سے آسان ہو گئی؛ مثلاً افطار کے بعد سو جانے کے بعد کھانے پینے کی پابندی اور فدیے کے اختیار سے متعلق ابتدائی حکم، پھر بعد میں نازل ہونے والے حکم نے رات بھر کھانے پینے کی اجازت اور روزہ رکھنے کو فدیے پر مقدم قرار دیا، جن کے مضامین سورۃ البقرہ کی آیات 184 و 187 میں موجود ہیں۔ ان تفصیلات کا اجمالی ذکر اس لیے ضروری ہے کہ طالب علم یہ سمجھ سکے کہ فرضیت ایک دن میں مکمل نظام کی صورت میں نازل ہونے کے ساتھ ساتھ تدریج سے آسان و مکمل ہوئی۔ عملی فقہی جزئیات، مثلاً روزہ توڑنے والی اشیاء اور کفارے کے مسائل، اس تعلیمی خلاصے سے آگے کی چیزیں ہیں جن کے لیے مستند علماء و کتبِ فقہ سے رجوع کرنا چاہیے۔

جدول 1: روزے کی فرضیت کے تاریخی مراحل

حوالہ / دور	صورت	مرحلہ
البقرہ: 183 کا مفہوم	روزہ بطور عبادت موجود	پچھلی امتیں
قبل از ہجرت	نفلی روزے و عاشوراء کی پابندی	مکی دور
ہجرت کے بعد	عاشوراء کے روزے کی تاکید	ابتدائی مدنی دور
2 ہجری، البقرہ: 183 تا 185	رمضان کے روزے فرض	حتمی فرضیت
البقرہ: 184، 187 کے مضامین	رخصتوں و آسانیوں کی وضاحت	تکمیل

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ صوم کے لغوی معنی رکنے اور باز رہنے کے ہیں اور اصطلاحاً یہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے رکنے کا نام ہے۔ اس کی فرضیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ روزہ تمام سابقہ شریعتوں میں موجود رہا، اسلام میں پہلے عاشوراء کے روزے کی اہمیت رہی اور بالآخر 2 ہجری میں رمضان کے روزے حتمی طور پر فرض ہوئے۔ یہ تاریخی تدریج اللہ کی اس حکمت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ بندوں کو احکام کا عادی مرحلہ وار بناتا ہے اور اس عبادت کا اصل مقصد ہمیشہ سے تقویٰ کا حصول رہا ہے۔

سوال نمبر4: روزے کا اصل مقصد "تقویٰ" ہے، اس کی مفصل تشریح قرآنی آیات کی روشنی میں کریں۔(نمبر: 20)

تمہید

قرآن مجید نے روزے کی فرضیت بیان کرتے ہوئے اس کا مقصد بھی خود ہی واضح کر دیا ہے، اور وہ مقصد ہے تقویٰ۔ عام طور پر لوگ روزے کو بھوک پیاس برداشت کرنے تک محدود سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ بھوک پیاس تو اس مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، مقصد نہیں۔ اگر مہینہ بھر بھوکا رہنے کے بعد بھی دل میں اللہ کا خوف، گناہ سے نفرت اور نیکی کی طلب پیدا نہ ہو تو وہ اصل ثمرہ حاصل نہیں ہوا جس کے لیے روزے فرض کیے گئے۔ اس جواب میں تقویٰ کے مفہوم کو سمجھاتے ہوئے قرآنی آیات کے مضامین کی روشنی میں تفصیل سے تشریح کی جائے گی کہ روزہ کس طرح تقویٰ پیدا کرتا ہے۔ واضح رہے کہ آیات یہاں مفہوم کی صورت میں حوالے کے ساتھ نقل کی گئی ہیں؛ اصل متن و ترجمے کے لیے مستند قرآن مجید دیکھنا چاہیے۔

تقویٰ کا مفہوم

تقویٰ عربی لفظ "وقایہ" سے ہے جس کے معنی ہیں بچاؤ اور حفاظت، یعنی خود کو کسی نقصان دہ چیز سے بچانے کے لیے ڈھال اختیار کرنا۔ اصطلاح میں تقویٰ سے مراد اللہ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے بچنے کے لیے اس کے احکام کی پوری پابندی کرنا اور ممنوعات سے اجتناب کرنا ہے۔ ایک معروف تشریح کا مفہوم یہ ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تمہیں وہاں نہ پائے جہاں اس نے جانے سے منع کیا ہے اور وہاں پائے جہاں اس نے حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ پرہیزگار شخص کی زندگی میں خوف و امید دونوں جمع ہوتے ہیں: وہ گناہ سے اس لیے بچتا ہے کہ اللہ ناراض نہ ہو، اور نیکی اس لیے کرتا ہے کہ اللہ راضی ہو۔ تقویٰ صرف عبادات ہی کا نام نہیں بلکہ یہ پوری زندگی کا رویہ ہے جو نماز روزے سے لے کر خرید و فروخت، گفتگو اور دوسروں کے حقوق تک ہر شعبے میں ظاہر ہوتا ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

قرآنی بنیاد: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ کا اعلان

روزے کی فرضیت والی آیت کا آخری حصہ اس کا مقصد بیان کرتا ہے؛ مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ (سورۃ البقرہ، آیت 183)۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن نے روزے کے دنیاوی فوائد مثلاً صحت یا ضبطِ نفس کو مقصد کے طور پر ذکر نہیں کیا بلکہ تقویٰ کو مقصد قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کی تمام تر مشق کا مرکز یہ ہے کہ انسان کے اندر اللہ کی نگرانی کا دائمی احساس پیدا ہو جائے جو رمضان کے بعد بھی باقی رہے۔ علماء اس نکتے کو یوں بیان کرتے ہیں کہ روزہ تقویٰ کی "تربیتی مشق" ہے: ایک مہینے کی مسلسل پریکٹس انسان کو باقی گیارہ مہینوں کے لیے پرہیز گار بنانے کی تربیت دیتی ہے۔

روزہ تقویٰ کیسے پیدا کرتا ہے؟

1۔ تنہائی میں بھی اللہ کے خوف کی عملی مشق

دوسری عبادات کا ظاہری پہلو لوگوں کو دکھائی دیتا ہے مگر روزہ ایسی عبادت ہے جس کا حال اللہ اور روزہ دار کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ روزہ دار چاہے تو تنہائی میں پانی پی کر لوگوں کے سامنے روزہ دار بنا رہ سکتا ہے، مگر وہ ایسا نہیں کرتا کیونکہ اسے یقین ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ یہی عمل تقویٰ کی عین حقیقت ہے کہ انسان لوگوں سے نہیں اللہ سے ڈر کر گناہ چھوڑے۔ حدیث قدسی کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا، کیونکہ بندہ اپنی خواہش اور کھانا پینا میری وجہ سے چھوڑتا ہے۔ ایک مہینے تک روزانہ تنہائی میں بھی حلال چیزوں سے رکے رہنے کی یہ مشق انسان کے دل میں وہ مراقبہ پیدا کر دیتی ہے جو پورے سال حرام چیزوں سے رکنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

2۔ نفس وخواہشات پر قابو

انسان کے اکثر گناہوں کی جڑ اس کی خواہشات ہیں؛ پیٹ اور نفسانی تقاضے انسان کو غلط راستوں پر لے جاتے ہیں۔ روزہ انہی دو بڑی خواہشات کو دن بھر قابو میں رکھتا ہے۔ جو شخص حلال کھانا پینا مقررہ وقت تک مؤخر کر سکتا ہو، اس کے لیے حرام سے ہمیشہ بچنا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کے مفہوم میں روزے کو گناہوں سے بچاؤ کی ڈھال قرار دیا گیا ہے۔ تقویٰ کا بڑا حصہ یہی خود پر قابو ہے، کیونکہ پرہیز گار وہی بن سکتا ہے جو خواہش کے ابھرنے پر اس کو اللہ کے حکم کے تابع کر دے۔ رمضان اس قابو کی سالانہ ریہرسل ہے جو ہر سال مؤمن کی روحانی قوت کو تازہ کر دیتی ہے۔

3۔ زبان واخلاق کی حفاظت کی تربیت

قرآن نے تقویٰ کو صرف بھوک سے نہیں جوڑا بلکہ پوری زندگی کی پرہیز گاری کا نام بھی تقویٰ کی صورتوں میں بیان کیا ہے؛ سورۃ البقرہ ہی کے آغاز میں متقیوں کی صفات میں ایمان، نماز، انفاق، وحی پر یقین اور آخرت کا یقین ذکر ہوا ہے (آیات 2 تا 5 کا مفہوم)، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کردار کا مجموعہ ہے۔ اسی لیے حدیث کے مفہوم میں آیا ہے کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔ روزے کے دوران جھگڑے سے بچنا، گالی کے جواب میں "میں روزے سے ہوں" کہنے کی تعلیم اور غصے پر قابو کی ترغیب، یہ سب اسی اخلاقی تقویٰ کی تربیت ہے۔ گویا روزہ زبان، آنکھ، کان اور ہاتھ کا بھی روزہ سکھاتا ہے۔

4۔ قرآنی ہدایت سے تعلق اور تقویٰ کا تعلق

رمضان کو قرآن کے نزول کا مہینہ قرار دیا گیا ہے اور اسی آیت میں قرآن کو لوگوں کے لیے ہدایت اور حق و باطل میں فرق کرنے والا بتایا گیا ہے (سورۃ البقرہ، آیت 185 کا مفہوم)۔ قرآن کے آغاز میں اسے متقیوں کے لیے ہدایت کہا گیا ہے (سورۃ البقرہ، آیت 2 کا مفہوم)۔ ان دونوں مضامین کو ملانے سے یہ ترتیب واضح ہوتی ہے کہ روزہ تقویٰ پیدا کرتا ہے اور تقویٰ قرآن سے ہدایت لینے کی اہلیت پیدا کرتا ہے؛ جبکہ قرآن کی ہدایت آگے مزید تقویٰ بڑھاتی ہے۔ اسی لیے رمضان میں تلاوت، تراویح اور اعتکاف کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ جو شخص رمضان میں قرآن سے جڑتا ہے اس کا تقویٰ محض وقتی جذبہ نہیں رہتا بلکہ علم و ہدایت کی بنیاد پر پختہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

5۔ اللہ کی قربت، دعا اور معافی کا ماحول

روزوں سے متصل آیات کے درمیان دعا اور اللہ کی قربت کا ذکر آنا بھی بے سبب نہیں: مفہوم یہ ہے کہ جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دیجیے) میں قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں (سورۃ البقرہ، آیت 186 کا مفہوم)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کی حالت انسان کو اللہ سے اس قدر قریب کر دیتی ہے کہ اس کی دعائیں خاص قبولیت کا درجہ پاتی ہیں۔ اسی طرح اعتکاف کے ذکر کے ساتھ اللہ کی حدود کی پابندی اور متقی بننے کے مقصد کی طرف اشارہ (آیت 187 کے آخری حصوں کے مضامین) اس بات کی تصدیق ہے کہ اس پوری عبادتی تربیت کا ہدف تقویٰ ہے۔ بندہ مغفرت پا کر اور دعاؤں کی قبولیت کا ذائقہ چکھ کر اللہ سے جڑ جائے، اس کے لیے گناہ کی طرف لوٹنا مشکل ہو جاتا ہے؛ یہی تقویٰ کی دائمی صورت ہے۔

6۔ تقویٰ ہی کی بنیاد پر آخرت کی کامیابی

قرآن مجید نے جگہ جگہ کامیابی اور اللہ کی ولایت کو تقویٰ سے جوڑا ہے؛ مفہوم کے طور پر بیان ہوا ہے کہ اللہ کے دوستوں پر نہ خوف ہے نہ غم، وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری اختیار کرتے رہے (سورۃ یونس، آیات 62 تا 63 کا مفہوم)، اور یہ کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے (سورۃ الحجرات، آیت 13 کا مفہوم)۔ ان مضامین سے روزے کے مقصد کی اہمیت اور بھی واضح ہو جاتی ہے: روزہ وقتی بھوک نہیں بلکہ اس صفت کی تعمیر ہے جس پر آخرت کا سارا دارومدار ہے۔ جو شخص رمضان سے تقویٰ کی دولت لے کر نکلے اس نے مہینہ کامیابی سے گزارا، اور جس کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئے اسے اپنے روزوں کے جائزے کی ضرورت ہے۔

جدول 1: روزہ اور تقویٰ کا تعلق

تقویٰ کا ظاہری اثر	تربیت پانے والی کیفیت	روزے کا عمل
چھپ کر بھی گناہ سے اجتناب	اللہ کی نگرانی کا احساس	تنہائی میں حلال سے رکنا
حرام سے ہمیشہ کی دوری آسان	ضبطِ نفس	بھوک پیاس و خواہش پر قابو

جھوٹ، غیبت و جھگڑے سے بچاؤ	اخلاقی پرہیز گاری	زبان کی حفاظت
علم کی بنیاد پر پختہ پرہیز گاری	قرآن سے ہدایت	تلاوت و عبادت کا اہتمام

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ روزے کا اصل مقصد بھوک پیاس نہیں بلکہ تقویٰ ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت 183 میں صراحتاً بیان ہوا ہے۔ روزہ تنہائی میں اللہ کے خوف کی مشق، خواہشات پر قابو، اخلاق و زبان کی حفاظت، قرآن سے ہدایت اور دعا و قربت کے ماحول کے ذریعے سال کو پرہیز گار بناتا ہے، اور قرآن کے نزدیک یہی تقویٰ دنیا و آخرت کی کامیابی کی کنجی ہے۔ لہٰذا روزہ رکھنے والے کو چاہیے کہ وہ صرف کھانا پینا ہی نہ چھوڑے بلکہ اپنے پورے کردار کو تقویٰ کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔

سوال نمبر 5: مصارفِ زکوٰۃ (آٹھ مستحقین) کی قرآن کی روشنی میں تفصیلی تشریح کریں۔ (نمبر: 20)

تمہید

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن اور ایک عظیم مالی عبادت ہے۔ اس عبادت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے خرچ کرنے کے مصارف بھی اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں متعین کر دیے ہیں تاکہ نہ زکوٰۃ دینے والا اپنی مرضی سے اسے کہیں بھی لگا دے اور نہ کوئی غیر مستحق اس حق پر قبضہ کر سکے۔ سورۃ التوبہ کی آیت 60 میں آٹھ ایسے مصارف بیان ہوئے ہیں جنہیں عام طور پر "آٹھ مستحقین" کہا جاتا ہے۔ اس جواب میں آیت کے مفہوم کی روشنی میں ہر مصرف کی تفصیلی تشریح پیش کی جائے گی۔ واضح رہے کہ عملی فقہی جزئیات، مثلاً کن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اور نصاب و مقدار کے تفصیلی مسائل، مستند علماء سے معلوم کرنے چاہییں؛ یہاں صرف تعلیمی تشریح پیش کی گئی ہے۔

آیتِ مصارف کا مفہوم

سورۃ التوبہ آیت 60 کے مفہوم کے مطابق زکوٰۃ و صدقات صرف ان لوگوں کے لیے ہیں: فقیر، مسکین، زکوٰۃ کی وصولی و تقسیم پر مامور عاملین، وہ لوگ جن کی دل جوئی مقصود ہو، گردنوں کو آزاد کرانے میں، قرض داروں کے لیے، اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے؛ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ اس آیت میں آٹھ مصارف گنائے گئے ہیں اور لفظ "صرف" کے مفہوم سے علماء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ زکوٰۃ انہی مدات میں خرچ ہو گی، ان سے باہر نہیں۔ اب ہر مصرف کو الگ الگ سمجھتے ہیں۔

آٹھ مصارف کی تفصیلی تشریح

1۔ فقراء

فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال تو ہو مگر وہ اس کی بنیادی ضروریات کے لیے کافی نہ ہو اور نہ وہ نصاب کے برابر مالک ہو۔ یعنی اس کی آمدن یا اثاثہ اس درجے کا نہیں کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہو یا وہ دوسروں کو دے سکے۔ عام فہم مثال یہ ہے کہ ایک شخص مزدوری کرتا ہے مگر اتنی آمدن نہیں کہ گھر کا کرایہ، خوراک اور بچوں کی بنیادی ضروریات پوری کر سکے۔ ایسا شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ فقیر کی مدد زکوٰۃ کا پہلا اور سب سے مقدم مصرف ہے کیونکہ اس عبادت کا مقصد ہی معاشی کمزوری کو دور کرنا ہے۔

2۔ مساکین

مسکین فقیر سے بھی زیادہ تنگدست کو کہا جاتا ہے، یعنی وہ شخص جس کے پاس تقریباً کچھ نہ ہو اور جو اپنی حاجت کے باوجود عزتِ نفس کی وجہ سے لوگوں سے مانگتا بھی نہ پھرے۔ بعض علماء نے فقیر و مسکین کی باریک تعریفوں میں شدت و کمی کی بحث کی ہے، مگر ان کا عملی حاصل یہی ہے کہ دونوں محتاج طبقے ہیں جن کی ضرورت پوری کرنا زکوٰۃ کا اولین مقصد ہے۔ خود مانگنے سے شرمانے والے مساکین کو ڈھونڈ کر دینا زیادہ پسندیدہ ہے، کیونکہ قرآن نے ایسے خوددار محتاجوں کی خاص تعریف بیان کی ہے جو سوال نہیں کرتے اور انہیں دیکھنے والا ان کی خودداری سے مالدار سمجھ بیٹھتا ہے (سورۃ البقرہ، آیت 273 کا مفہوم)۔

3۔عاملینِ زکوٰۃ

تیسرا مصرف وہ اہلکار ہیں جو اسلامی نظام میں زکوٰۃ کی وصولی، حفاظت، حساب کتاب اور تقسیم پر مامور ہوں۔ انہیں ان کے کام کے معاوضے کے طور پر زکوٰۃ کے مال سے تنخواہ دی جاتی ہے، چاہے وہ ذاتی طور پر مالدار ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ یہ ان کی اجرت ہے، امداد نہیں۔ اس مصرف سے زکوٰۃ کے منظم ادارے کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ اسلام اس عبادت کو انفرادی جذبے کے ساتھ ساتھ اجتماعی نظام کے تحت بھی چلانا چاہتا ہے۔ آج کے دور میں مستند فلاحی اداروں کے وہ اخراجات جو براہِ راست زکوٰۃ کی وصولی و تقسیم پر آتے ہیں، انہی اصولوں کے تحت جانچے جاتے ہیں؛ البتہ کسی ادارے کو زکوٰۃ دینے سے پہلے اس کی شرعی نگرانی کی تحقیق اہلِ علم سے کرنی چاہیے۔

4۔مؤلفۃ القلوب (جن کی دل جوئی مقصود ہو)

چوتھا مصرف ان لوگوں کی دل جوئی ہے جن کے دل اسلام کی طرف مائل کرنا یا انہیں اسلام پر ثابت قدم رکھنا یا ان کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا مصلحتاً ضروری ہو۔ ابتدائی دور میں اس مد سے نئے مسلمانوں اور قبائلی سرداروں کو دیا جاتا تھا تاکہ ان کے ایمان میں پختگی آئے اور ان کے قبیلے اسلام کے قریب ہوں۔ اس مصرف کی موجودگی و مقدار کے بارے میں ادوار کے حالات کے مطابق علماء نے تفصیلی بحث کی ہے اور اس کا اطلاق اجتماعی مصلحت دیکھ کر اہلِ اختیار کرتے ہیں؛ انفرادی طور پر اس مد کا فیصلہ کرتے وقت مستند علماء کی راہنمائی ضروری ہے۔ اس سے زکوٰۃ کی ایک سماجی و دعوتی حکمت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ یہ مال صرف پیٹ بھرنے کے لیے نہیں بلکہ دلوں کو جوڑنے کے لیے بھی ہے۔

5۔گردنوں کی آزادی (فِی الرِّقَاب)

پانچواں مصرف غلاموں کی آزادی ہے۔ جس زمانے میں غلامی کا رواج تھا، اس وقت زکوٰۃ کا ایک حصہ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے مقرر کرنا اسلام کی انسان دوستی کا عظیم ثبوت تھا؛ اسی طرح مکاتب غلام، یعنی وہ غلام جو مالک سے رقم دے کر آزادی کا معاہدہ کر چکا ہو، اس کی مدد بھی اسی مد میں شامل تھی۔ آج کل باقاعدہ غلامی کا نظام دنیا سے تقریباً

ختم ہو چکا ہے، اس لیے اس مد کی عملی صورتیں بدل گئی ہیں؛ قیدیوں کی رہائی یا جبری مشقت جیسے مسائل میں اس مصرف کے اطلاق کے بارے میں فیصلے مستند علماء ہی موجودہ حالات کی روشنی میں کرتے ہیں۔ طالب علم کے لیے اصل بات یہ سمجھنا ہے کہ اسلام نے زکوٰۃ کو انسانی آزادی کے لیے بھی ایک ذریعہ بنایا تھا۔

6۔ قرض دار (غارمین)

چھٹا مصرف وہ قرض دار ہے جو جائز و ضروری قرض کے بوجھ تلے دبا ہو اور اس کے پاس قرض ادا کرنے کے بعد نصاب کے برابر مال باقی نہ رہتا ہو۔ ایسے شخص کو اتنی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے کہ اس کا قرض اتر جائے اور وہ زندگی دوبارہ شروع کر سکے۔ فقہاء نے قرض داروں کی دو بڑی صورتیں ذکر کی ہیں: ایک وہ جو اپنی ذاتی ضرورت کے قرض میں گرفتار ہو، دوسرا وہ جو دو فریقین میں صلح کرانے یا کسی اجتماعی فلاح کے کام میں ضمانت دے کر قرض کا بوجھ اٹھائے۔ لاپروائی سے لیے گئے فضول قرض یا گناہ کے کاموں کے قرض کی تفصیلات فقہی ابحاث ہیں اور ہر کیس کا فیصلہ حالات دیکھ کر اہلِ علم کرتے ہیں؛ بنیادی اصول یہی ہے کہ زکوٰۃ قرض کے بوجھ سے نجات کا ذریعہ بنے، فضول خرچی کی حوصلہ افزائی نہیں۔

7۔ فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں)

ساتواں مصرف "اللہ کی راہ میں" ہے۔ اس سے مراد اولاً وہ مجاہدین و رضاکار ہیں جو دین کی حفاظت و سربلندی کے لیے جہاد میں شریک ہوں مگر ان کے پاس اسباب کی کمی ہو۔ اس مصرف کی وسعت کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں؛ کچھ نے اسے جہاد ہی میں خاص رکھا ہے اور کچھ نے دین کی عمومی خدمت کے ایسے کاموں کو بھی شامل کیا ہے جن کا براہِ راست تعلق دینی مصالح سے ہو۔ چونکہ یہ مسئلہ اختلافی و اہم ہے، اس لیے کسی خاص مد کو "فی سبیل اللہ" کہہ کر زکوٰۃ دینے سے پہلے اپنے اطمینان کے لیے مستند علماء سے تحقیق کرنا ضروری ہے۔ اس مد کا مرکزی سبق یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف انفرادی ضرورت کے لیے نہیں بلکہ دین و ملت کے اجتماعی دفاع و مفاد کے لیے بھی خرچ ہو سکتی ہے۔

8۔ابن السبیل (مسافر)

آٹھواں مصرف مسافر ہے، یعنی وہ شخص جو سفر میں ایسی تنگدستی کا شکار ہو جائے کہ گھر یا اپنے مال تک رسائی ممکن نہ رہے، چاہے وہ اپنے وطن میں مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے مسافر کو اتنی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی ضرورت پوری کر کے وطن واپس پہنچ سکے۔ آج کے دور میں اس کی صورتیں یوں سمجھی جاسکتی ہیں کہ پردیس میں مال چوری ہو جانے، حادثے یا قدرتی آفت کی وجہ سے پھنس جانے والا مسافر اسی مد کا مستحق بن سکتا ہے۔ اس مصرف سے اسلام کی سفری ہمدردی اور اجتماعی ضمانت کا نظام ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم معاشرے میں کوئی مسافر بے سہارا نہیں چھوڑا جاتا۔

جدول 1: مصارفِ زکوٰۃ (سورۃ التوبہ: 60) کا خلاصہ

مصرف	مراد	مقصد
فقراء	ضرورت سے کم مال رکھنے والا محتاج	بنیادی ضرورتیں پوری کرنا
مساکین	فقیر سے زیادہ تنگدست خوددار	شدید احتیاج دور کرنا
عاملین	زکوٰۃ کے نظام پر مامور اہلکار	نظامِ زکوٰۃ چلانا
مؤلفۃ القلوب	دل جوئی کے مستحق افراد	ایمان کی پختگی و سماجی مصلحت
فی الرقاب	غلاموں کی آزادی	انسانی آزادی
غارمین	قرض میں دبے ہوئے لوگ	قرض سے نجات
فی سبیل اللہ	اللہ کی راہ کے کام	دین کی حفاظت و سربلندی
ابن السبیل	تنگدست مسافر	وطن واپسی تک کی کفالت

زکوٰۃ کے مصارف مقرر ہونے کی حکمتیں

ان آٹھ مصارف کی تعیین میں کئی حکمتیں پنہاں ہیں۔ اول یہ کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہونے کے ساتھ دولت کی گردش کا نظام بھی ہے؛ امیروں کا مال انہی طبقات تک پہنچتا ہے جن کی مدد سے معاشرے کی کمزور کڑیاں مضبوط ہوتی ہیں۔ دوم یہ کہ مصارف مقرر ہونے سے زکوٰۃ میں بدعنوانی اور من پسندی کا راستہ بند ہوتا ہے۔ سوم یہ کہ ان میں انفرادی (فقیر، مسافر)، سماجی (قرض دار، دل جوئی) اور دینی و انسانی (فی سبیل اللہ، آزادی) ہر قسم کی ضروریات شامل ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا فلاحی نظام جامع ہے۔ چہارم یہ کہ آیت کے اختتام پر اسے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ کہنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان مدات میں تبدیلی انسان کے اختیار میں نہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ التوبہ آیت 60 میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں: فقراء، مساکین، عاملینِ زکوٰۃ، مؤلفۃ القلوب، گردنوں کی آزادی، قرض دار، فی سبیل اللہ اور مسافر۔ زکوٰۃ صرف انہی مدات میں صرف کرنا جائز ہے اور یہی اس مالی عبادت کی قبولیت و برکت کا راز ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ اپنی زکوٰۃ کے عملی مسائل میں ان اصولوں کو سمجھنے کے بعد جزئیات کے لیے مستند علماء سے رجوع کرے تاکہ عبادت بھی صحیح ہو اور حق بھی حقدار تک پہنچے۔